

اختلاف کا آغاز

حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے بعد بر عظیم میں جو علمائے محدثین بہت زیادہ نامور ہوئے ان میں شاہ عبدالرحیم پھران کے لخت جگر حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد ان کے فرزند دلبند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہم الرحمۃ کا خصوصی مقام ہے۔ حضرت شیخ محقق نے علمائے امت کے حضور پر نور ﷺ کے زندہ و حاضر و ناظر، مفیض و مربی ہونے کے بارے میں جس اتفاق کا ذکر کیا ہے شاہ عبدالعزیز بلکہ ان کے بھائیوں، بھتیجوں، شاگردوں تک اس میں کوئی رخنہ اندازی نہیں ہوئی۔ سوا مولوی اسماعیل دہلوی کے جو حضرت شاہ عبدالعزیز حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین کے بھتیجے تھے اور حضرت شاہ عبدالغنی علیہم الرحمۃ کے بیٹے تھے سب سے پہلے انھوں نے بر عظیم پاک و ہند میں اس عقیدے بلکہ حضور پر نور ﷺ کی عظمتِ شان سے تعلق رکھنے والے بہت سے عقائد میں اختلاف کیا۔ آخر کیوں؟ اوپر مذکورہ بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی ان کا علم برابر نہیں تھا بلکہ شاید دسواں حصہ بھی نہیں تھا۔ پھر اختلاف کیوں؟ ظاہر ہے علم و تحقیق کی بنا پر نہیں بلکہ محض انگریزوں کی رضا جوئی کے لیے اور ان کی منصوبہ بندی کے مطابق انگریزوں کو کسی معروف علمی خاندان کے کسی صاحبزادے

کی ضرورت تھی۔ جوان کی اسلام دشمنی کا آلہ کار بن سکے چنانچہ اس ناپاک مقصد کا حصول مولوی محمد اسماعیل صاحب کی شکل میں ہوا۔ انگریز اس سے پہلے یہی کام محمد بن عبدالوہاب جیسی شخصیت سے لے چکے تھے جو نجد کے ایک علمی و خانقاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مولوی اسماعیل کا کام اس لیے بھی آسان ہو گیا کہ انھیں اپنے دماغ پر زیادہ زور نہیں دینا پڑا۔ نئے مذہب کے آغاز کے لیے بہت زیادہ پاپڑ نہیں بیلنا پڑے بلکہ محمد بن عبدالوہاب انگریزوں کا جو منظور شدہ مذہب چھوڑ گئے تھے وہی ان کے کام آ گیا۔ انھیں نیا مذہب نئے عنوان اور نئے دلائل گھڑ کر نئے سرے سے اپنے سامراجی آقاؤں سے منظوری لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب شہر دہلی کے بازاروں اور کوچوں میں مجمع لگا لیتے اور نہایت ہی دلخراش انداز میں رب اکبر کے محبوب اکبر ﷺ کے کمالات کا انکار اگلتے۔ ان پڑھ لوگوں پر ان کا کچھ اثر اس لیے بھی ہوا کہ آخر بڑوں کے صاحبزادے تھے اور اس لیے بھی کہ قرآن و حدیث سے دلائل پیش کر رہے تھے۔ عوام کو اتنی تحقیق کی جستجو کب ہوتی ہے کہ قرآن یا حدیث سے استدلال کرنے والا کہاں ترجمہ غلط کر رہا ہے اور کہاں محض جھوٹ بول رہا ہے۔ رہ گیا باشعور طبقہ تو اپنے آقا و مولا ﷺ کا ذکر غلط انداز میں سنتا تو پریشان ہو جاتا۔ مغل تاجدار کی نام نہاد اور اوپری بادشاہت کے باوجود انگریزوں کی حکومت تھی۔ جناب انگریز ریزیڈنٹ کے پاس اسماعیل صاحب کے خلاف شکایت کی جاتی تو کہتا انگریز عملداری میں ساری رعایا کو مذہبی آزادی حاصل ہے ہم کسی کو روک ٹوک نہیں سکتے۔ (اندر سے تو اپنی ہی شہ تھی لہذا روکنا اور بھی ناممکن تھا) فرمایا حضرت اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے

.....
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

فروعی مسائل:

یہ تو مولوی اسماعیل کا اسلامی بنیاد یعنی حضور پر نور ﷺ کی ذات اور کمالات پر حملہ تھا۔ مگر یہ کام انھوں نے زیادہ تر اور کھلم کھلا حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرضوان کے بعد وفات شروع کیا۔ آپ کے دور میں ان کا کام فروعی مسائل و اختلافات ابھارنے میں صرف ہوا۔ یہ فروعی اختلافات پہلے بھی امت میں موجود تھے مگر برصغیر میں نہیں تھے وجہ یہ تھی کہ یہاں اسلام لانے والے صوفیہ کرام علیہم الرضوان سب کے سب حنفی تھے، مسلمان بادشاہ بھی اکثر ان کے غلام ہوتے تھے لہذا یہاں کا قانون ہی حنفی تھا۔ اپنی صدی کے مجدد حضرت اورنگزیب عالمگیر قدس سرہ نے پانچ سو علما سے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے جو دستور سلطنت مرتب کرایا تھا وہ بھی فقہ حنفی کی عظیم دستاویز تھی۔ چنانچہ مدراس کے کچھ شافعی تاجروں کے سوا سارے برصغیر میں حنفی سکھ ہی چلتا تھا۔ مولانا نے ان اختلافات سے بھی ناجائز فائدہ اٹھایا اور ایسی جرات کی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز جو نسب میں ان کے تایا بھی تھے اور طریقت میں شیخ الشیخ کی بھی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے جو ان کے ایک معتقد یعنی مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ”حکایات اولیاء“ میں درج کیا ہے۔

ایک حکایت:

تھانوی صاحب نے تفصیل سے یہ حکایت بیان کی مگر یہاں موقع کی مناسبت سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ

کے شاگردوں نے آپ سے شکایت کی کہ آپ کے بھتیجے محمد اسماعیل نے رفع یدین شروع کر دیا ہے تو (مولوی تھانوی صاحب کے الفاظ میں) آپ نے فرمایا، میاں عبدالقادر تم اسماعیل کو سمجھا دینا کہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے، خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں تو کہہ دوں گا مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا اس وقت میرے دل میں یہی خیال آیا کہ انہوں نے اس وقت یہی جواب دیا مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسماعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا جب مولوی یعقوب صاحب نے مولوی اسماعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے **مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي، عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ** کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اس کا جواب سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور مانحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے جب مولوی یعقوب صاحب نے یہ جواب مولوی اسماعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ (حکایات اولیاء)

تھانوی صاحب نے اس کتاب میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

اور ان کے ہم مسلک علماء کو دبا کر اور ان کے مرید سید احمد بریلوی اور مرید کے مرید جناب مولانا اسماعیل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ عموماً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جو نابغہ روزگار اور نبہتقی وقت تھے کو سید احمد بریلوی جو نہایت ہی غبی الذہن تھے کے سامنے ساکت و لا جواب ہوتے دکھایا ہے۔ مگر پھر بھی کسی طرح سے یہ حکایت ان کے قلم سے نکل ہی گئی۔ اسے کرشمہ قدرت کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

فوائدِ حکایات

اس واقعہ سے مولانا اسماعیل صاحب کی فساد انگیزی اور انتشار پسندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے ایک مسئلہ ہوتا ہے بنیادی اور ایک ہے فروعی بنیادی مسائل کو کسی صورت ہلایا نہیں جاسکتا مگر فروعی مسائل کے بارے میں ڈھیل ہو سکتی ہے بلکہ بعض دفعہ ضروری ہوتی ہے۔ رفع یدین کا اختلاف بالکل فروعی ہے۔ اس کے مقابلے میں ملت کا اتحاد از حد ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی ایسے علاقے میں جاتا ہے جہاں سب لوگ رفع یدین کرتے ہیں تو اسے چاہیے ملت کا اتحاد برقرار رکھنے کے لیے وہ بھی رفع یدین شروع کر دے۔ اگر لوگ باشعور ہوں اور وہ بھی اس کو محض فروعی سمجھ کر درگزر کریں تو اور بات ہے ورنہ ایسے مسائل کو اتحادِ ملت پر قربان کیا جاسکتا ہے۔ اگر حضرت امام شافعی جیسی مجتہد شخصیت حضرت امام اعظم کے مزار پر اپنی تحقیق کی بجائے امام اعظم کی تحقیق پر عمل کر سکتے تھے تو غیر مجتہد کے لیے تو اور بھی ضروری ہے کہ فروعی مسائل کو ہوا دے کر قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کرے۔

چنانچہ آئیے پھر مولانا اسماعیل کی حکایات کی طرف۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے

.....

جب انگریز روز بروز عروج حاصل کرتے جا رہے تھے اور اپنے مخصوص مفادات کے لیے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس دور میں تو اتحاد ملت کی بھی ضرورت تھی اور ملت کے سچے خیر خواہ کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ اپنی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہونے دے۔ اور مولانا اسماعیل نے کیا کیا جس مسئلے پر کم از کم یہاں کوئی اختلاف نہ تھا اسے جان بوجھ کر اختلافی بنا دیا۔ ملت کے سربراہ اور بہی خواہ ہونے کی حیثیت سے خاندان کے سربراہ، حقیقی تایا اور شیخ الشیخ نے سمجھوانے کی کوشش بھی کی مگر بے سود۔ ایک یہی مسئلہ نہیں جس جس مسئلہ پر اختلاف ظاہر ہو سکتا تھا اسے اپنایا تاکہ دیکھنے والے خوب دیکھ لیں کہ اسماعیل کتنی ڈھٹائی سے اختلاف کا بیج بو رہا ہے۔ آمین بالجہر سینے پر ہاتھ باندھنا وغیرہ آپ اہل حدیث حضرات کو دیکھتے رہتے ہیں۔ برصغیر میں یہ اختلافات مولانا اسماعیل کی ذات 'پاک' نے ہی شروع کیے ہیں چنانچہ ان کی برکت سے گھر گھر میں لڑائیاں شروع ہوئیں اور سب کو مل کر جن دشمنوں کا جواب دینا تھا ان کی آرزو پوری کر دی۔ مولانا نے اپنی علمی و عملی صلاحیتوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور انھیں انگریز کی رضا کے لیے اسی طرح وقف کر دیا جیسے اللہ کا بندہ اللہ کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ وقف کرتا ہے۔ آج بھی ان کے مقلدین کا یہی حال ہے۔ فروعی مسائل کو ہوا دینا اور قوم میں انتشار پیدا کرنا انکی فطرت کا غالب حصہ ہے۔ مختلف شہروں میں اشتہارات، بینروں اور بورڈوں کے ذریعے رفع یدین، فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر جیسے مسائل پر چیلنج دیئے جاتے ہیں۔ آخر کیوں اسی لیے کہ آج بھی اتحاد ملت کی سخت ضرورت ہے۔ سارا عالم کفر یکجان ہے تو عالم اسلام کو بھی یکجان ہونا چاہیے تھا مگر افسوس ایسا نہیں ہو سکا۔ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ آپ اپنے

.....
 گرد و پیش ہی کو دیکھ لیجئے کہاں سے ان فروعی مسائل کی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ کیا کسی علاقے میں آپ نے سنا ہے کسی سنی حنفی (بریلوی) عالم نے اس قسم کا مسئلہ چھیڑا ہو۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ملت کی خیر خواہی اس کے خمیر میں ہے اور طبعی طور پر اسے ملت اسلامیہ کا انتشار پسند نہیں۔ یہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا باوفا غلام ہے اور جانتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ کو یہ انتشار قطعاً گوارا نہیں۔ مگر اہل حدیث حضرات نے عموماً انھیں عنوانات کو زیب تقرر و تحریر بنایا ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر لشکر طیبہ کے حافظ سعید ہی کو لیجئے باقاعدہ اپنے مرکز الدعوة والارشاد میں نوجوانوں کو ان فروعی مسائل پر مناظرے سکھائے جاتے ہیں اور اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ جس علاقے میں جائیں حنفیت کی غالب اکثریت کے خلاف فساد و انتشار پیدا کر دیں، ہمیں مجبوراً مناظرے کا چیلنج قبول کرنا پڑتا ہے تاکہ قوم اپنی تاریخ سے ہی اعتماد نہ اٹھالے۔ برصغیر میں اسلام پھیلانے والے جب سب حنفی تھے مثلاً حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت خواجہ معین الدین غریب نواز، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور پھر اسلام اور تصوف کے عظیم محافظ حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرضوان ان بزرگوں سے وابستگی ہمارا عظیم سرمایہ ہے۔ یہ ہماری تاریخ کے زریں اوراق ہیں۔ چند شر پسند عناصر کی سعی غیر محمود سے اگر یہی تصور ابھر آیا کہ ان سب بزرگوں اور مبلغوں کی نماز ہی غلط تھی جیسا کہ وہابی خصوصاً یہ نیم چڑھے وہابی پراپیگنڈہ کرتے ہیں تو نئی نسل کا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے کٹ جائے گا اور دنیا میں اس کے پینے کے تمام خواب بکھر جائیں گے۔

نیا مذہب:

حقیقت یہی ہے کہ مولانا اسماعیل دہلوی نے جو راستہ اختیار کیا اور

دوسروں کو دکھایا وہ ملت کی تباہی کا تھا اور آج ان کے مقلدین بھی اسی ڈگر پر
 رواں دواں ہیں۔ انھوں نے محض چند ٹکوں کی خاطر اپنے ہی اکابر کو کافر و مشرک کہا
 جو عقائد وراثت کے طور پر صدر اسلام سے چل رہے تھے انھیں کفر و شرک قرار دیا
 نئے عقائد اور نیا دین گھڑ کر اسے پرانے نام سے پیش کیا تو یہ کام اکبر کے دین الہی
 سے بھی زیادہ خطرناک تھا کیونکہ اس نے عقائد کے ساتھ ساتھ نام بھی بدلا اور یہ
 بات کھل کر سامنے آگئی کہ بہر حال یہ اسلام کا دشمن ہے۔ مگر انگریزوں کے
 شاگردان رشید نے عقائد کا تمام نظام بدلا، توحید کے دلائل کو شرک ٹھہرایا، تعظیم
 نبی ﷺ کے تمام مظاہر کو توحید کے منافی قرار دیا، اپنے بدعی عقائد کو اعمال اسلام
 اور سنت کا لبادہ اوڑھایا اور ڈٹ کر میدان میں آگئے کہ ساری امت مشرک ہے
 اور ہم موحد ہیں کیا ان سازشوں سے قرآن کی توحید آمیزی پر کوئی حرف نہیں آیا اور
 ان کی مخصوص ہرزہ سرائی سے سنت کا اصل تصور قائم رہا۔ قرآن پاک نے جا بجا خدا
 کے محبوب بندوں کے معجزات و کمالات، کرامات، تصرفات اور اختیارات کا اعلان
 کیا تو نجدی و اسماعیلی و سعیدی تاریک ذہنیت کے مطابق یہ سب کچھ شرک۔ تو
 قرآن پاک توحید سکھانے والی کتاب ہوئی یا شرک پڑھانے والی۔ یہی حال
 احادیث کا ہے مختصر یہ کہ انگریز جس حد تک مسلمانوں کو تباہ کر سکتے تھے کیا اور ان
 کے اندر جتنا انتشار پھیلا سکتے تھے پھیلا یا مگر اس میں مولنا اسماعیل اور ان کے
 مقلدین کا بھی بہت زیادہ دخل ہے انھوں نے اپنوں کا خیال نہ کیا، امت کا فائدہ نہ
 سوچا، قرآن پاک، سنت نبوی سے رہنمائی نہ لی، جو غیروں نے کہا، مانا اور جس راہ
 پر دشمنوں نے چلایا یہ آنکھیں بند کر کے چلتے رہے حتیٰ کہ ان کی فہم قرآن و حدیث،
 دشمنان قرآن و حدیث کی مرہون بلکہ ان کا نام اہل حدیث بھی انگریزوں کا منظور

کر دہ (دیکھئے وہابی مذہب از مولانا ضیاء اللہ قادری)۔ شاید کسی ذہن میں خیال آئے کہ یہ لوگ جب بار بار قرآن و حدیث کے حوالے پیش کرتے ہیں تو انہیں مخالف قرآن و حدیث کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ سو گزارش ہے کہ چند صفحے قبل والی حدیث پاک پر غور فرمائیں۔ حضور پر نور ﷺ اپنی امت کے حق میں اس منافق کو سب سے زیادہ خطرناک فرما رہے ہیں جو منافق بھی ہو اور عالم بھی۔ ایسا شخص قرآن و حدیث کے حوالے پیش کرنے کی وجہ ہی سے تو اس امت کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے۔ جناب مولانا اسماعیل نے تقویت الایمان لکھی۔ اس میں کثیر آیات و روایات کو درج کیا گیا ہے۔ یہ ردِ شرک و بدعت میں لکھی جانے والی اردو میں پہلی کتاب کہلاتی ہے۔ انگریز تین خداؤں کے قائل تھے یعنی عقیدے کے اعتبار سے مشرک سنت سے انہیں غرض ہی نہیں تھی مگر اس کی کیا وجہ ہے کہ انگریز حکومت نے اس کی تقویت الایمان کا پہلا ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں اپنے خرچ پر چھپوایا اور سارے برصغیر میں مفت تقسیم کیا۔

اس پوری کتاب میں دیکھ لیجئے آیات و روایات اچھی خاصی تعداد میں ہیں مگر کہیں بھی کسی صحابی، تابعی، امام، مفسر، محدث یا مجدد کی تفسیر کا حوالہ نہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ ان آیات و روایات کی من مانی تشریح کی گئی جو ماضی میں کسی سے اگر ملتی ہے تو صرف محمد ابن عبدالوہاب کی کتاب التوحید سے، اور حوالہ اس کا بھی نہیں۔ جو تحریر کسی بھی سابقہ تحریر و تصنیف سے کما حقہ نہیں ملتی، اگر اسے سراپا بدعت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ یہ نئے عقائد جو اسلاف سے نہیں ملتے اگر کسی کی نگاہ کرم کا صدقہ ہے تو وہ بہت افرنگ ہے۔

علمائے اہل سنت:

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب مولانا اسماعیل انگریزوں کے اشاروں پر یوں رقص فرما رہے تھے، علمائے اہل سنت کہاں تھے اور انھوں نے مولانا کی ان سازشوں کا توڑ کرنے کی کیا کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا سارا زور سازشی عناصر کی حمایت میں صرف ہو رہا تھا ایسے میں محکوم لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ مغلیہ سلطنت اور نگزیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے بعد ہی رو بہ زوال ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کے سیاسی انحطاط کے ساتھ ساتھ تمام دوسری قومیں ابھرتی گئیں۔ محمد شاہ رنگیلا جیسے بادشاہ ملک و قوم کو خاصی حد تک تباہ کر چکے تھے۔ صدیوں سے غلام رہنے والی علاقائی قومیں زور پکڑ رہی تھیں اور مسلمانوں سے انکے اقتدار کا بدلہ لینا چاہتی تھیں ایسی صورت حال میں علمائے اسلام کے پاس زبان و قلم کے سوا کیا تھا، چنانچہ اور تو اور خود اسماعیل کے چچا زاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں اور شاگردوں نے مولانا سے مناظرے کر کے انھیں مبہوت کیا اور تقویۃ الایمان کے بیسیوں جواب لکھے گئے۔ مگر عالم اسباب میں حکومت آخر حکومت تھی، پھر مولانا اس کے حق میں کھلم کھلا پروپیگنڈا بھی کر رہے تھے۔ جن نو جوانوں اور راجاؤں کو انگریزوں سے نفرت تھی پیرو مرید (یعنی سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل) ان کی صلح بھی انگریزوں سے کر دیتے تھے۔ پھر بھی علماء سے جو ہوسکا انھوں نے کیا۔ یہ علماء اہل سنت ہی تھے جن کی کاوشوں سے حالات کچھ سنبھلتے سے دکھائی دیئے تو انھوں نے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی دیا اور عملاً اس میں شرکت بھی کی۔ ۱۸۵۷ء کی اس جنگ آزادی میں علماء اہل سنت قلم اور تلوار سے جہاد میں مصروف تھے اور مولانا اسماعیل

کئی سال پہلے ۱۸۳۱ء میں انگریزوں کی راہ میں مسلمان پٹھانوں سے جہاد کرتے کرتے ”شہید“ ہو چکے تھے، لیکن ان کے مقلدین نے انگریزوں کا بساط بھر ساتھ دیا۔ انگریز مردوں، عورتوں کو گھروں میں پناہ دی اور انگریزوں کو فتح ہوئی تو انھوں نے ان محسنوں کو شمس العلماء کے خطابات، جاگیریں اور دوسرے انعامات عطا فرمائے۔ انگریزوں نے اپنے وفاداروں کو نواز اتو باغیوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے۔ مسلمانوں پر تباہی مچادی، ہزاروں کو پھانسی لگایا، سینکڑوں کو کالے پانی کی سزا سنائی دی۔ جائیدادیں ضبط کیں۔ مدرسے تباہ کئے صرف الہ آباد کے تین سو مدرسوں میں سے صرف تین رہ گئے۔

یہی دور تھا جب اہل اسلام کی کتابیں جلائی جا چکی تھیں، کتب خانے اور مدرسے ویران کر دیئے گئے تھے اور مدرسہ دیوبند کا آغاز ہوا۔ اس کے بانی مولانا قاسم نانوتوی، مولانا عبدالعلی جو انگریزوں کے عریک کالج کے تقریباً وائس پرنسپل تھے کے شاگرد تھے۔ مدرسہ دیوبند میں کیا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ رپورٹ ملاحظہ ہو جو حکومت کے نمائندے لارڈ پامرنے اس کے معائنے کے دوران لکھی تھی ہوا یہ کہ ۳۱ جنوری ۱۹۷۵ء کو بروز یکشنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامرنے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا، اس کے معائنے کی چند سطور مندرجہ ذیل ہیں۔

”جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے

صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام

پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک

مولوی چالیس روپے ماہانہ پر کر رہا ہے یہ مدرسہ خلاف سرکار

نہیں بلکہ موافق سرکار و ممد و معاون سرکار ہے“

(مولانا احسن نانوتوی مؤلفہ محمد ایوب قادری ایم اے)

انگریز پرنسپلوں کا کیا کام تھا، مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور حضور ﷺ کی محبت سے انہیں خالی کرنا یہی کام اس مدرسے کے مدرس معمولی تنخواہوں پر کرنے لگے۔ چنانچہ اس مدرسے سے سینکڑوں طالب علم فارغ ہو جاتے تھے مگر جہاں جاتے، اپنی تربیت کے مطابق دوسروں کی تربیت کرتے چنانچہ دور دور تک دیوبند کا ’فیض‘ پہنچا اور بدنصیب لوگ عشق رسول ﷺ سے خالی ہوتے گئے۔ علمائے اہل سنت اپنی بے سرو سامانی کے باوجود اپنے علم و فضل سے اور مشائخ اہل سنت اپنے تصرفات کے ساتھ اسلام کی خدمت کرتے رہے اور اسلام دشمنوں کے ناپاک منصوبوں سے اپنے نبی مکر ﷺ کی بھولی بھالی امت کو آگاہ کرتے رہے۔ یہ انہیں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ حکومت کی اسلام دشمن پالیسی کے باوجود اور چند اپنوں کی بے وفائی کے باوجود مسلمانوں کا نہایت ہی کثیر حصہ حق کے ساتھ وابستہ رہا اور غیروں کی ترہیب و ترغیب نے اثر کیا تو چند گنے چنے افراد پر۔

علمائے اہل سنت میں سب سے مؤثر آواز حضرت مولانا امام محمد احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی ثابت ہوئی۔ مولانا نے جس مجاہدانہ لکار سے اسلام کا دفاع کیا وہ انہیں کا حصہ ہے، انکی مجددانہ تحریر و تقریر نے اس فتنے کی جوان کے دور میں اسلام کے خلاف اٹھا، سرکوبی کی۔ انہوں نے مولانا اسماعیل اور مولانا قاسم کی طرح کوئی اپنا عقیدہ نہیں گھڑا۔ کسی آیت یا روایت کا نوزائیدہ مفہوم پیش نہیں کیا، انہوں نے عقیدہ توحید کو نکھارا، مقام رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمتوں

کے بارے میں غلط فہمیاں دور کیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار سے وابستگی کا سبق دیا۔ فہم قرآن و حدیث کی جو دولت مسلمانوں میں پہلے دور سے آئی تھی اس کی حفاظت کی۔ انھوں نے مولانا اسماعیل کی طرح یہ نہیں کہا کہ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا یا مولانا قاسم کی طرح یہ تاثر نہیں دیا کہ حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے سے آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، یا مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرح یہ نہیں کہا کہ رحمۃ اللعالمین ہر مسلمان کو کہہ سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ کتابیں لکھ کر انگریزوں، انگریز پرستوں اور اسلام دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، انھوں نے ذاتی اور عطائی نیز حقیقی اور مجازی کا فرق بیان کر کے توحید و رسالت کے بارے میں کثیر آیات کا مفہوم واضح کیا اور علم قرآن کے بارے میں ان کا احسان از حد قابل قدر ہے، ورنہ جس طرح مولانا محمد اسماعیل اور ان کے حواری آیات کا ترجمہ کر رہے تھے اس سے اور تو اور خود قرآن پاک میں دشمنوں کو تضادات نظر آنے لگے اور اس سلسلے میں جو کچھ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا، نیا کام نہیں تھا بلکہ صدر اسلام سے یہی تفسیرات و تشریحات چلی آرہی تھیں۔ گویا یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے ملت کے حال کو ماضی سے وابستہ رکھنے کی زبردست کوشش کی اور دشمن جو امت مسلمہ کے لئے نئی نئی راہیں تراش رہے تھے وہ بہت حد تک بند ہو گئیں۔

ہم یہاں ڈنکے کی چوٹ پر چیلنج کرتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں محدث بریلوی کی کتابوں میں سے کوئی ایک عقیدہ ہی ایسا نکال کر دکھائیں جو سب سے پہلے انہوں نے گھڑا ہو اور قرآن و حدیث بلکہ مستند مفسرین و شارحین اور زعمائے ملت نے اسے پہلے بیان نہ کیا ہو۔ اس کے برعکس مولانا اسماعیل صاحب کی

تقویت الایمان اور دوسری کتابوں بلکہ ان کے مقلدین کی تصانیف سے بھی ایک نہیں بیسیوں عقائد ایسے ثابت کئے جاسکتے ہیں جس کی ابتدا انھیں سے ہوئی، ان کا پہلے نام و نشان تک کہیں نہیں ملتا۔ پھر بھی مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کو اہل بدعت کا امام اور خود کو سنت کا داعی کہنا کتنا بڑا افسوسناک جھوٹ اور دھوکہ ہے۔
صوفیائے کرام کا کردار:

اس منحوس دورِ فرنگ میں جب نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی، فتنہ انکارِ حدیث کی آبیاری کی جا رہی تھی اور دفنوں کے غلام احمد پرویز جیسے کلرکوں سے سنت کی حجیت سے بغاوت کرا کے تفسیر قرآن کا منصب سونپا جا رہا تھا، معتزلہ کا مردہ مذہب جدید سائنس اور فلسفے کی مسیحائی سے زندہ کیا جا رہا تھا، نیچریت کو ہوا دے کر مذہب کو عقل تیرہ کا غلام بنایا جا رہا تھا۔ متعصب پادریوں اور پنڈتوں کو شہ دے کر اسلام کے خلاف زہرا گلوایا جا رہا تھا۔ صرف اعلیٰ حضرت مولانا محمد احمد رضا خان اور ان کے ہم نوا ہی اسلام کے تحفظ اور حمایت اشاعت کے لئے میدان میں نہ اترے بلکہ اولیاء اللہ کے کثیر التعداد آستانوں اور صوفیائے کرام کی خانقاہوں سے بھی دین حق کا جھنڈا بلند ہوا۔ نقشبندی، قادری، سہروردی، اور چشتی بزرگان دین اپنے عظیم مورثوں کی طرح یک جان و یک دل ہو کر باطل کے سامنے صف آراء ہو گئے اور اپنے وسیع علم و عرفان، دلربا سیرت و صورت، اخلاص و مروت اور کن کشف و مشاہدہ سے ساری فضا پر چھا گئے۔ کوئی حضور غوث الثقلین کی شراب وصل پلا رہا تھا تو کوئی خواجہ نقشبند اور حضرت مجدد

الف ثانی کے فیض سے دلوں میں اللہ کے نام کے نقش بنا کر انھیں گرما رہا تھا۔ کوئی حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت محبوب الہی کی دنوازیوں عام کر رہا تھا تو کوئی حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی سرمستیوں کو تقسیم کر رہا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) چورہ شریف، علی پور شریف، سیال شریف، شرقپور شریف، گولڑہ شریف، مارہرہ شریف، کچھوچھہ شریف، بیسیوں آستانے خلق خدا کو آستان یار تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ ذرا غور کیجئے ظاہری طور پر مسلمانوں کو شکست ہو چکی تھی۔ ان کے ہاتھ سے ساڑھے سات سو سالہ حکومت نکل چکی تھی ان کے مدرسے تباہ اور کتب خانے نذر آتش ہو چکے تھے۔ مگر پھر بھی ان صوفیاء نے دن رات ایک کر کے محنت کی چند خود سروں اور ضمیر فروشوں کے سوا کسی کا رشتہ ایمان کمزور نہ ہونے دیا۔ یہی وہ صورت حال تھی جس کے پیش نظر مشہور مستشرق ایچ۔ آر۔ کے۔ گب (Gibb) کو کہنا پڑا۔

”تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور ان کو اپنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی“

(مقالات ضیاء الامت ج ۱)

یونہی ہالینڈ کے ایک فاضل ”لو کے کارو“ نے دبے انداز میں اس بات پر
استعجاب کا اظہار کیا ہے۔

”گو اسلام کو سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن اسلام
میں روحانی ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا (گویا انھیں اللہ
والوں کی برکت تھی)۔“

چنانچہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق دور انگریز میں بھی ترقی اس قدر
ہوئی کہ اس سے پہلے جتنے مسلمان یہاں آباد تھے ان کی تعداد سے بھی زیادہ اب
مسلمان ہوئے ہیں۔

